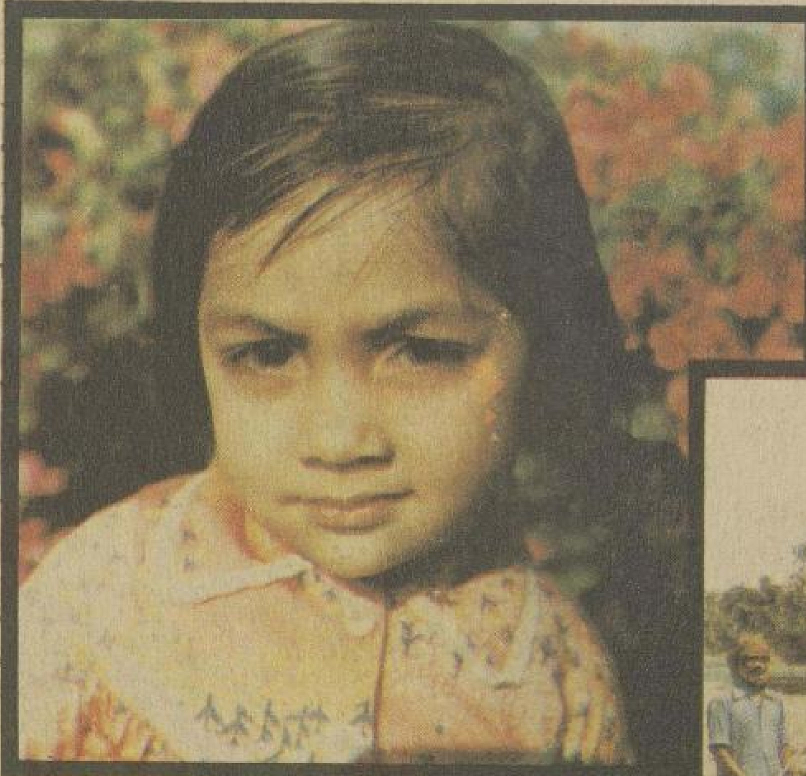
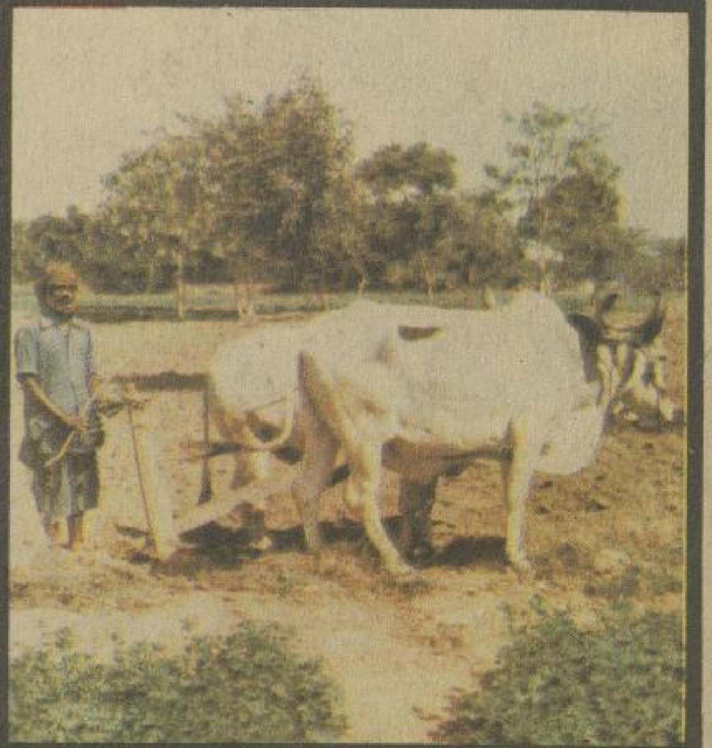
اُردُو کی دُوسری کِتاب









سِندھ ٹیکسٹ بُک بورڈ، حیدرآباد

اُردُو کی دُوسری کِتاب

دُوسری جماعت کے لیے





برائے

سِندھ ٹیکسٹ بُک بورڈ

حیدر آباد سِندھ

تیار کردہ :۔ سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، حیدر آباد سندھ
منظور شدہ :۔ محکمۂ تعلیم بطور واحد درسی کتاب برائے مدارسِ صوبۂ سندھ۔

نظرِ ثانی

ڈاکٹر آصف جاہ کاروانی

ڈاکٹر عبدالحق حسرت کاسگنجوی

تدوینِ نو

ڈاکٹر عبدالحق حسرت کاسگنجوی

محمّد ناظم علی خاں ماتلوی

مطبع :۔ سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ پرنٹنگ پریس جامشورو

میرا نام ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ہے۔

یہ میری دُوسری کتاب ہے۔ آئیے دیکھیں اِس کتاب میں کون سا سبق کہاں ہے؟

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

حمد

اے زمین آسمان کے مالِک
ساری دُنیا جہان کے مالِک

تُو ہی ہے سب کو پالنے والا
کام سب کے نِکالنے والا

بھُوک میں تُو ہمیں کھِلاتا ہے
پیاس میں تُو ہمیں پلاتا ہے

آنکھ دی تُو نے دیکھنے کے لیے
کام کرنے کو ہاتھ پاؤں دیے

بات کے سُننے کو دیے دوؔ کان
بات کہنے کو تُو نے بخشی زبان

تیرے قبضے میں سب خدائی ہے
تیرے ہی واسطے بڑائی ہے

خواجہ الطاف حسین حالؔی

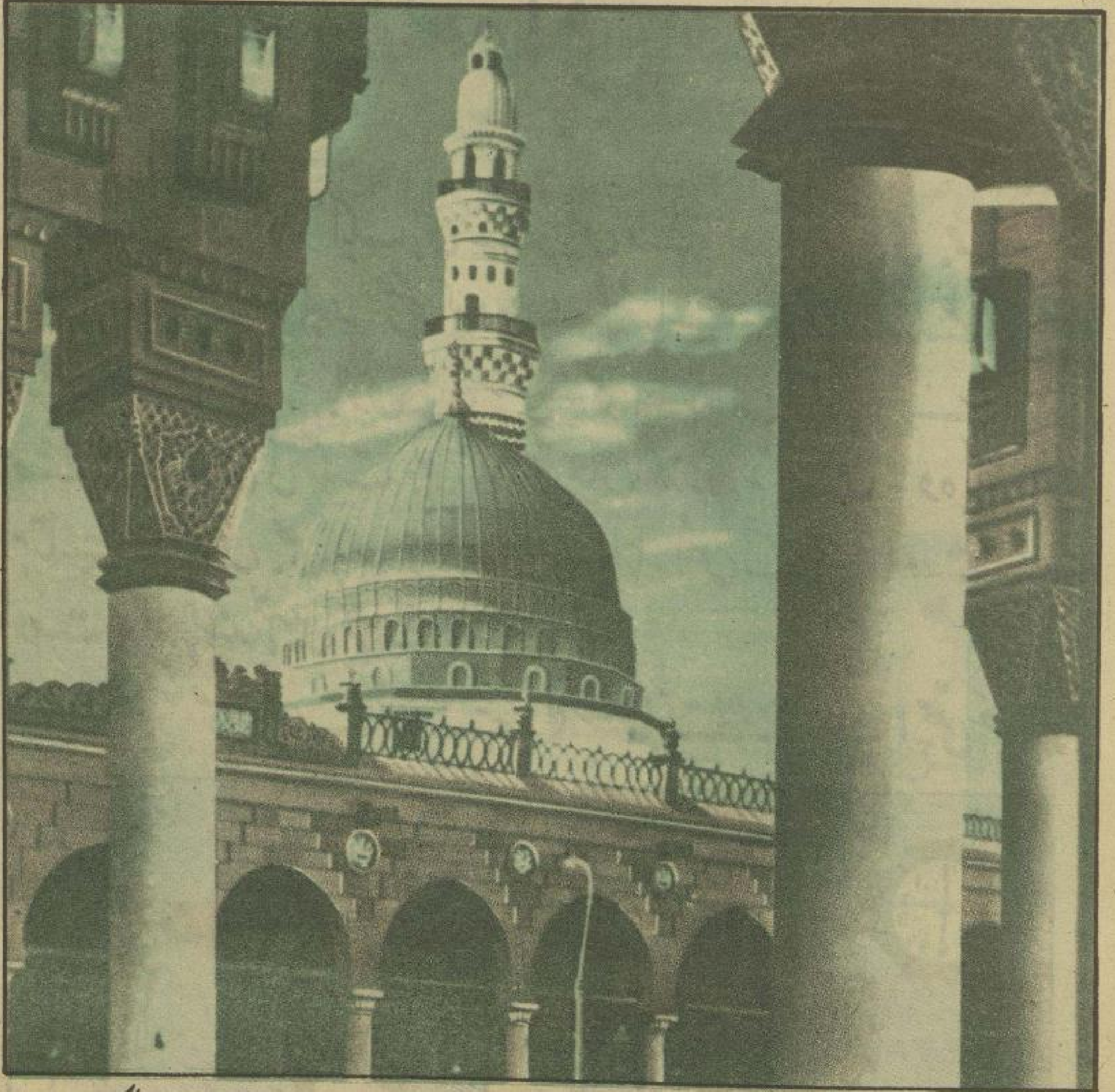
ہمارے پیارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

ہمارے پیارے نبی حضرت محمّد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عَرب کے مشہور شہر مکّے میں پیدا ہوئے۔ آپؐ کے والِد کا نام حضرت عبداللّٰہ اور والِدہ کا نام حضرت آمِنَہ تھا۔ حضورؐ کے وَالِد آپؐ کے پیدا ہونے سے کچھ مہینے پہلے وَفات پا گئے تھے۔ جب آپؐ کی عُمر چھ برس ہوئی تو آپؐ کی والِدہ بھی وَفات پا گئیں۔ والِدہ کی وَفات کے بعد ہمارے پیارے نبیؐ کی پرورش آپؐ کے دادا اور پھر چچا حضرت اَبُوطالِب نے کی۔

آپؐ بچپن ہی سے بہت نیک تھے۔ سب کا اَدَب کرتے تھے اور ہر ایک کے دُکھ دَرد میں کام آتے تھے۔ آپؐ ہمیشہ سچ بولتے اور لوگوں سے بہت محبّت سے پیش آتے۔ آپؐ جو وَعدہ کرتے اُسے پورا کرتے۔

جب ہمارے نبیؐ کی عُمر چالیس سال کی ہوئی تو اللّٰہ تعالےٰ نے آپؐ کو حکم دیا کہ میرا پیغام لوگوں تک پہنچاؤ۔ حضورؐ نے ایسا ہی کیا کچھ لوگوں نے آپؐ کی باتیں مان لیں اور مُسلمان ہو گئے لیکن بہت سے لوگوں نے آپؐ کی باتیں سُننے سے اِنکار کر دیا اور آپؐ کی جان کے دُشمن ہو گئے۔ مگر آپؐ اپنی جان کی پَروا کیے بغیر اللّٰہ تعالےٰ کا

پیغام دوسروں تک پہنچاتے رہے اور لوگوں کو نیکی کی باتیں بتاتے رہے۔

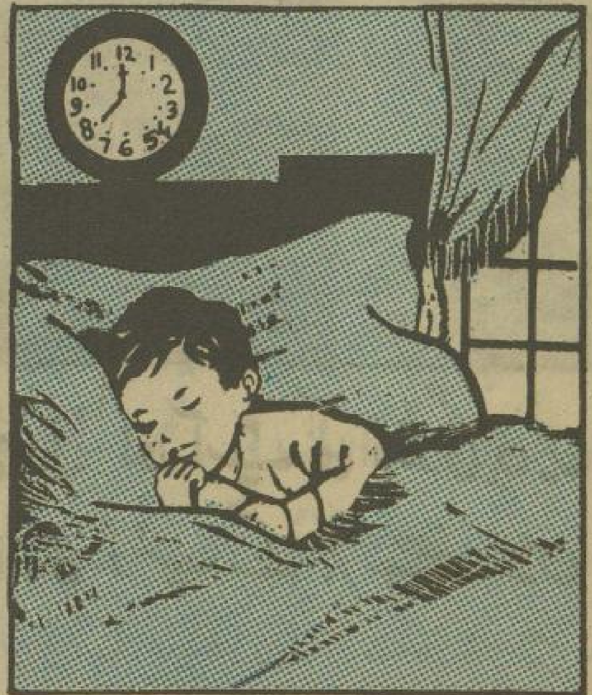


آخرکار آپؐ کو کامیابی ہوئی اور آپؐ کی زندگی ہی میں بے شمار لوگ مسلمان ہوگئے۔ آج بھی دنیا کے ہر حصّے میں مسلمان موجود ہیں۔

صفائی

حامد اور محمود ایک ہی محلّے میں رہتے اور ایک ہی جماعت میں پڑھتے ہیں۔ حامد صبح کو دیر سے اُٹھتا ہے۔ وہ نہ اچھی طرح سے ہاتھ مُنہ دھوتا ہے نہ بالوں میں کنگھی کرتا ہے۔ اُس کے کپڑے مَیلے ہوتے ہیں۔ اُس کی کِتابیں اور کاپیاں گندی رہتی ہیں۔ وہ اکثر بیمار رہتا ہے۔ اِسکول بھی پابندی سے نہیں جاتا۔ اُس کے ہم جماعت اُسے دوست بنانا پسند نہیں کرتے۔

محمود صبح سویرے اُٹھتا ہے۔ ناشتا کرنے سے پہلے اچھی طرح





ہاتھ مُنّہ دھوتا ہے۔ اپنے کپڑے صاف رکھتا ہے۔ اُس کی کتابیں گندی نہیں ہوتیں۔ وہ اپنے گھر کی صفائی کا پُورا خیال رکھتا ہے۔ وہ اپنے پڑھنے لکھنے کا سامان سلیقے سے رکھتا ہے۔ وہ اپنے ناخن ہر ہفتے ترشواتا ہے۔ اُس کے دانت صاف اور چمکیلے ہیں۔ صاف رہنے کی وَجہ سے اُس کی صِحت بہت اچھّی ہے۔ گھر تو گھر سارا محلّہ اُسے پسند کرتا ہے۔ اُستاد بھی اُسے اچھّا کہتے ہیں۔

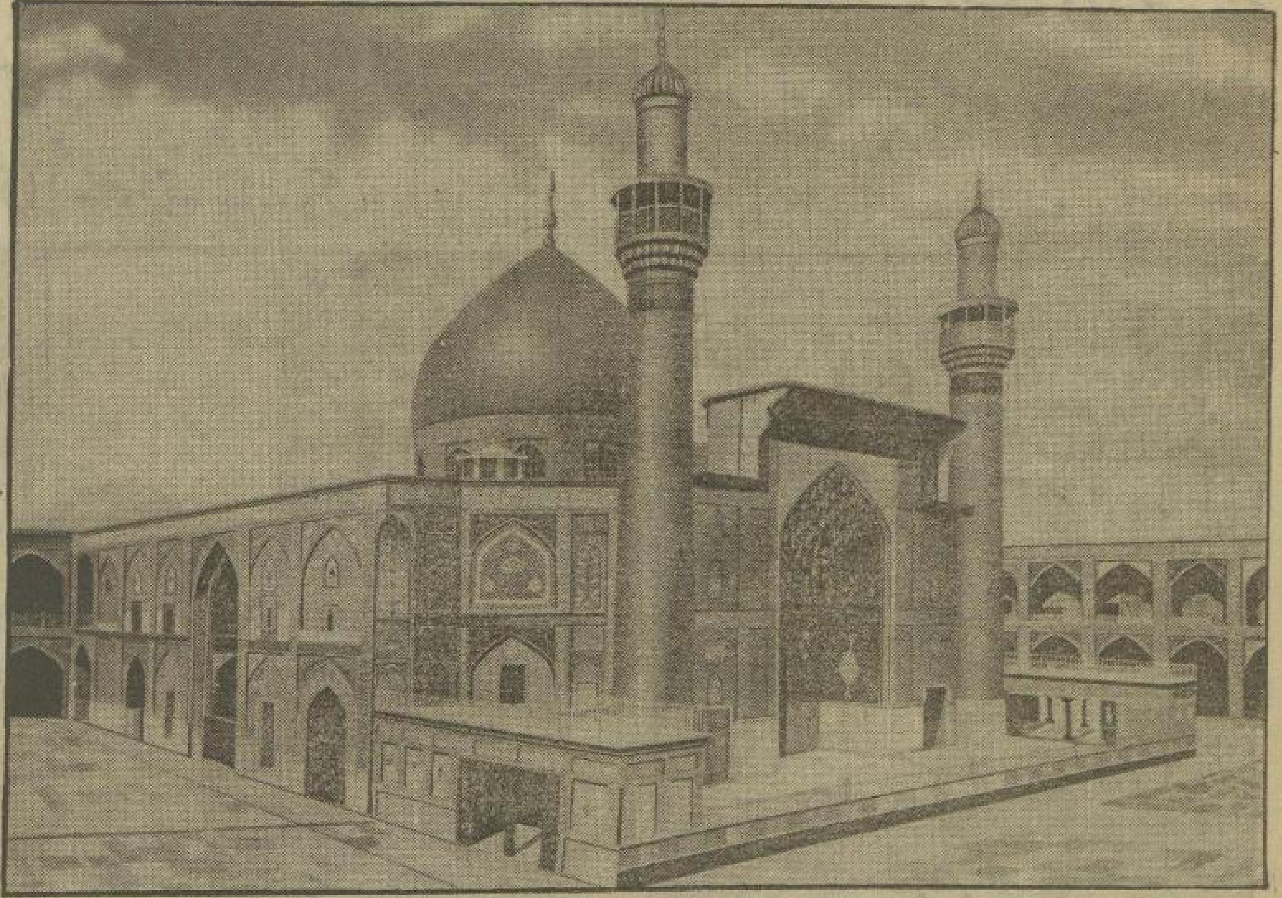




صاف رہنے سے اِنسان تَن دُرست رہتا ہے۔ صاف سُتھرے بچّوں کو سَب پَسند کرتے ہیں۔ اللہ میاں کو بھی صفائی پسند ہے۔ اِسی لیے ہمارے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ: "صفائی نِصف ایمان ہے۔"



حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کی بہادری

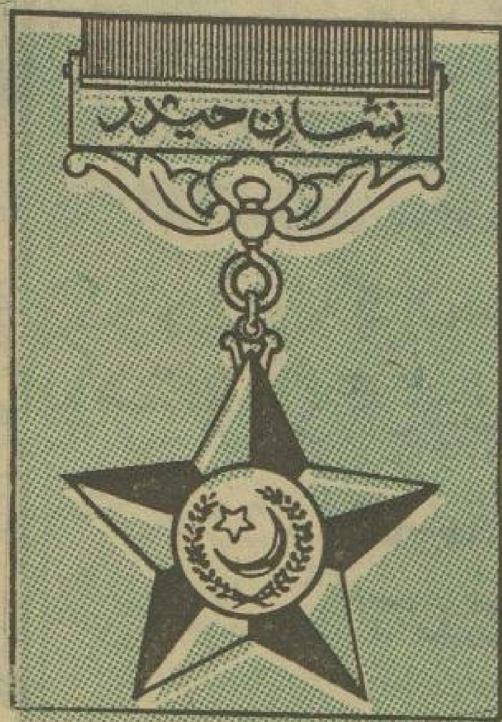


روضہ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ

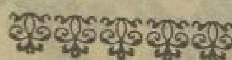
ہمارے نبیؐ کے زمانے میں مدینے کے قریب خیبر نام کی ایک بستی تھی۔ یہاں یہودی آباد تھے۔ وہ مسلمانوں کو ستاتے رہتے تھے۔ ہمارے پیارے نبیؐ نے اُنھیں بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے اور مسلمانوں کو برابر تنگ کرتے رہے۔ آخر کار مسلمانوں کو بھی یہودیوں کے مقابلے کے لیے میدان میں آنا پڑا۔

مسلمان بُہت بہادری سے لڑے اور خیبر کے بہت سے قلعے فتح کر لیے لیکن ایک بڑا قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ یہودی اِس قلعے میں چھُپ کر اِن پر حملے کرتے رہے۔ اُن کے دو بڑے سردار کہتے تھے "کون ہے؟ جو ہمارا مُقابلہ کر سکے!" حضورؐ نے اُن کی بات سُنی تو فرمایا "کل میں عَلَم اُس شخص کو دُوں گا جو سب سے زیادہ بہادُر ہے اور وہ اس قلعے کو فتح کیے بغیر واپس نہ آئے گا۔"

دُوسرے دن آپؐ نے حضرت علی مُرتضیٰؓ کو بُلایا اور فوج کا عَلَم دے کر دشمنوں سے مُقابلہ کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت علی مُرتضیٰؓ کے حملے سے یہودیوں کے دونوں سردار مارے گئے۔ حضرت علی مُرتضیٰؓ نے قلعے کے مضبوط دروازے کو توڑ کر اُس پر قبضہ کر لیا۔ اِس طرح حضرت علی مُرتضیٰؓ کی بہادری اور ہمّت سے مسلمانوں کو اِس جنگ میں کامیابی ہوئی۔



ہمارے وَطن پاکِستان میں بہادری کا سب سے بڑا نِشان "نِشانِ حیدر" ہے، جو حضرت علی مرتضیٰؓ کے نام پر ہے۔



دیس ہمارا پاکِستان

دیس ہمارا ہم کو پیارا ہم سب کی آنکھوں کا تارا
اپنے دیس پہ ہم قربان
دیس ہمارا پاکِستان

اِس کی خوشی آرام ہمارا اِس کے نام سے نام ہمارا
اِس کی شان ہماری شان
دیس ہمارا پاکِستان

آزادی ہے شان ہماری آزادی ہے آن ہماری
آزادی اپنا ایمان
دیس ہمارا پاکِستان

پاکِستان بنایا جس نے اُجڑا دیس بَسایا جس نے
اُس کے نام پہ ہم قُربان
دیس ہمارا پاکِستان

صُوفی غلام مُصطفےٰ تبسّم

ہمارا گھر



گھر کسے پیارا نہیں ہوتا۔ ہمیں بھی اپنا گھر بہت پسند ہے۔ اپنے گھر میں ہم آرام اور چین سے رہتے ہیں۔ یہ ہمیں گرمیوں میں گرمی سے، سردیوں میں سردی سے اور برسات میں بارش سے بچاتا ہے۔ گھر چھوٹا ہو یا بڑا، گاؤں میں ہو یا شہر میں، ہر آدمی کے لیے بہت ضروری ہے۔

ہمارا گھر کافی روشن اور ہوا دار ہے۔ ہم اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اسے صاف ستھرا رکھتے ہیں۔ ردّی کاغذ اور کوڑا کرکٹ ٹین کے

ڈبّے میں ڈال دیتے ہیں ، ہم گھر کے فرش اور دیواروں کو بھی گندگی سے بچاتے ہیں۔ ہمارے گھر میں ہر چیز سلیقے سے رکھّی رہتی ہے اور ہم جہاں سے جو چیز اُٹھاتے ہیں ، وہیں رکھ دیتے ہیں۔

ہم نے اپنے گھر کے صحن میں چھوٹی چھوٹی کیاریاں بنائی ہیں۔ ایک کیاری میں سبزیاں لگائی ہیں اور دُوسری کیاری میں رات کی رانی اور گلاب کے پوَدے ہیں جن سے بھینی بھینی خوشبو آتی ہے۔



محمد علی جناحؒ



کچھ بچّے لڑکپن ہی سے محنت کے عادی ہوتے ہیں۔ خوب دِل لگا کر پڑھتے ہیں۔ ایسے بچّے پڑھ لِکھ کر زندگی میں کامیاب ہوتے ہیں اور دُنیا میں بہت نام پیدا کرتے ہیں۔

کراچی میں ایک ایسا ہی بچّہ تھا۔ وہ خوب محنت کرتا اور جی لگا کر پڑھتا تھا۔ اِسکول سے گھر آکر بھی وہ رات کو دیر تک اپنا سبق یاد کرتا تھا اور جب تک اِسکول کا کام پُورا نہ کر لیتا آرام نہیں کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا "میں پڑھ لِکھ کر بڑا آدمی بنوں گا۔"

اِسکول کے سب بچّے اُس کو پسند کرتے تھے۔ اُس کے اُستاد بھی اُس کا بہُت خیال رکھتے تھے۔ جب وہ اِسکول میں پڑھ چکا تو اُس کے والِدین نے اُسے اور آگے پڑھنے کے لیے ولایت بھیج دیا۔ وہاں بھی اُس نے دِن رات مِحنت کی اور وکالت کا اِمتحان پاس کر کے واپس آیا۔ جانتے ہو وہ کون تھا؟ وہ ہمارے قائدِ اعظمؒ تھے۔

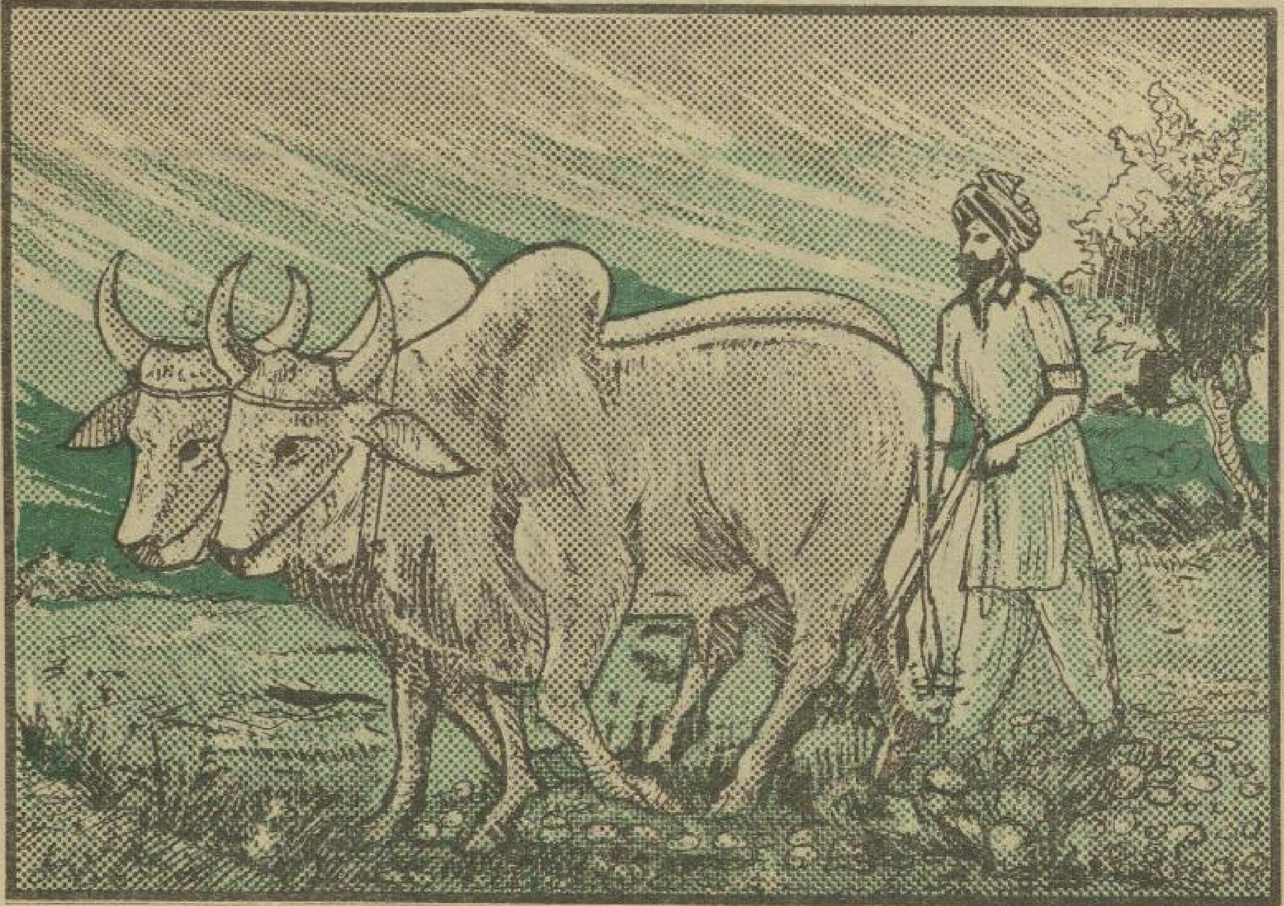
قائدِ اعظم محمّد علی جناحؒ کو مسلمانوں سے بہُت محبّت تھی۔ جب اُنھوں نے دیکھا کہ ہمارے مُلک پر غیروں کی حکُومت ہے تو اُنھیں بہُت دُکھ ہُوا۔ اُنھوں نے دِن رات کی کوشِش کے بعد مُسلمانوں کے لیے ایک الگ مُلک بنایا۔ اُس مُلک کا نام پاکِستان ہے۔ آج ہم اپنے وَطَن میں عِزّت و آرام سے رہتے ہیں۔



قائدِ اعظمؒ کا مَزار کراچی میں ہے۔ یہ بہُت خوب صُورت مَقبَرہ ہے۔ اِسے دیکھنے کے لیے لوگ دُور دُور سے آتے ہیں۔

کِسان

راجو ایک کِسان ہے۔ وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں جھونپڑی میں رہتا ہے۔ وہ صُبح سویرے اُٹھتا ہے۔ ہَل بَیل لے کر کھیتوں پر کام کرنے چلا جاتا ہے۔ کھیت کی مِٹّی اچھّی طرح نرم کر کے، اُس میں بیج ڈالتا



ہے۔ تیز دُھوپ، سخت سَردی اور بارش میں بھی اپنے کام میں لگا رہتا ہے۔

راجو کی بیوی گھر کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ گائے اور بَیلوں کی

دیکھ بھال بھی کرتی ہے۔ راجو کے لیے کھیت پر کھانا لے کر جاتی ہے۔ راجو کا لڑکا اِسکول میں پڑھتا ہے۔ اِسکول سے واپس آکر کھیت پر چلا جاتا ہے اور اَپنے ابّا کے کام میں اُن کا ہاتھ بٹاتا ہے۔

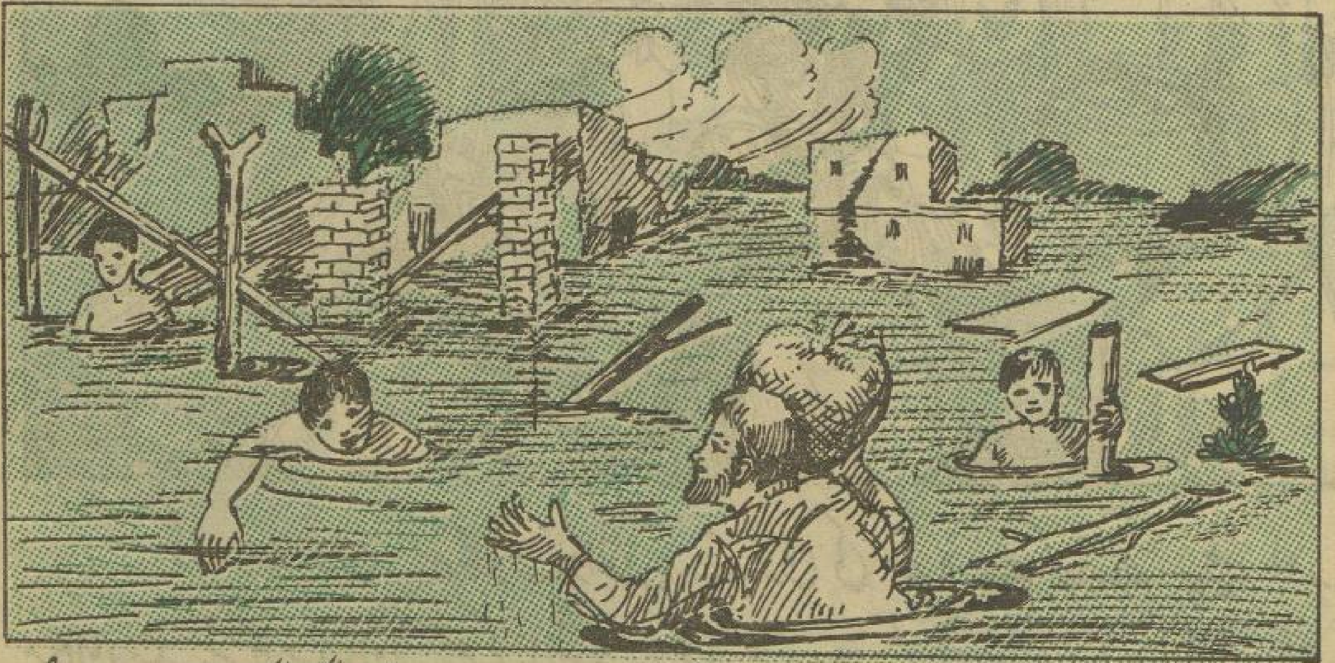
راجو اور اُس کے گھر کے لوگ بہُت محنت کرتے ہیں۔ وہ موٹے جھوٹے کپڑے پہنتے ہیں اور جو کچھ کھانے کو مل جاتا ہے، کھا کر خُدا کا شُکر اَدا کرتے ہیں۔ وہ گاؤں والوں کے ساتھ مل جُل کر رہتے ہیں اور ایک دُوسرے کے کام آتے ہیں۔



راجو دن رات کام کر کے ہم لوگوں کے لیے طرح طرح کے اَناج اور سَبزیاں پَیدا کرتا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ راجو بڑے کام کا آدمی ہے۔

محنت کی پری

کسی دریا کے کنارے ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ وہاں کے لوگ محنت سے کام کرتے تھے۔ اُنھوں نے مِل جُل کر رہنے کے لیے صاف ستھرے مکان بنائے تھے۔ وہ ہر کام ایک دُوسرے کی مَدد سے کرتے تھے اور اُن کی زندگی ہنسی خوشی گزر رہی تھی۔



ایک بار دریا میں سیلاب آگیا۔ گاؤں والوں کے گھر گر پڑے اور اُن کا سارا سامان بہہ گیا۔ کھیتوں کو بھی نقصان پہنچا۔ گاؤں کے لوگ اِس آفت سے بہت پریشان ہوئے اور سوچنے لگے کہ اب کیا ہوگا ؟ ہم کس طرح دوبارہ اپنے گھروں کو بنائیں گے ؟

قریب ہی محنت کی پَری رہتی تھی۔ اُس نے گاؤں والوں کو پریشان دیکھ کر پُوچھا "کیا بات ہے؟" گاؤں والوں نے اپنی دُکھ بھری داستان سنائی۔ محنت کی پَری نے کہا "ہمّت نہ ہاریے، خُدا پر بھروسا رکھیے اور محنت سے کام کیجیے۔ میں بھی آپ کے ساتھ کام کروں گی اور ہر طرح کی مَدد کروں گی۔"



دُوسرے دِن سے گاؤں والوں نے پَری کی مَدد سے کھانے پِینے اور مکان بنانے کا سامان جمع کرنا شروع کیا۔ چند روز میں بُہت سا سامان جمع ہو گیا اور گاؤں والوں نے دوبارہ اپنے گھر بنا لیے۔ اِس طرح جو گاؤں سیلاب سے تباہ ہو گیا تھا وہ گاؤں والوں کی محنت سے پھر آباد ہو گیا۔

آؤ ہم بن جائیں تارے

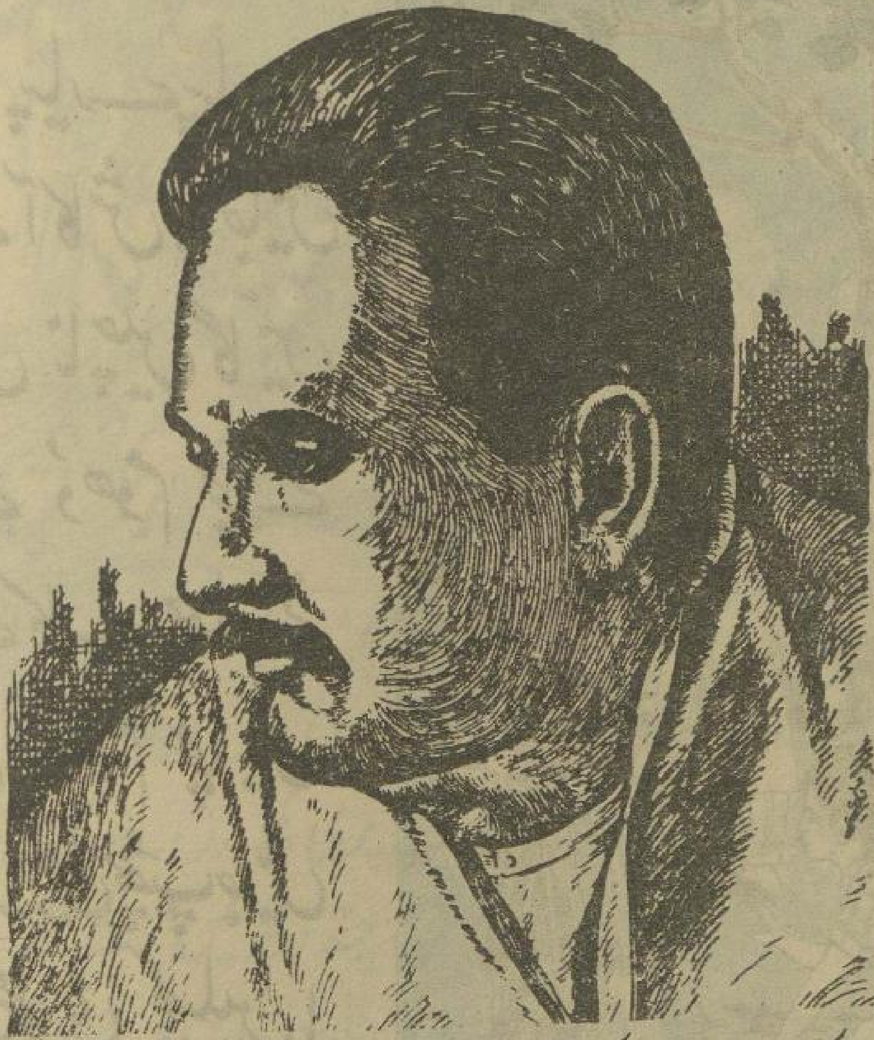


آؤ ہم بَن جائیں تارے
ننّھے ننّھے پیارے پیارے
دَھرتی سے آکاش پہ جائیں
چَمکیں دَمکیں ناچیں گائیں
بادل آئے دُھوم مچاتے
لے کر کالے کالے چھاتے
آؤ ہم بھی دُھوم مچائیں
اُن کے پَردوں میں چھُپ جائیں
آؤ آنکھ مچولی کھیلیں!
مِل کر سَب، ہمجولی کھیلیں!

چراغ حسن حسرت

علّامہ اِقبالؒ

سیالکوٹ پاکِستان کا ایک مشہور شہر ہے۔ اِسی شہر میں ہمارے قومی شاعِر علّامہ اِقبالؒ پیدا ہوئے۔

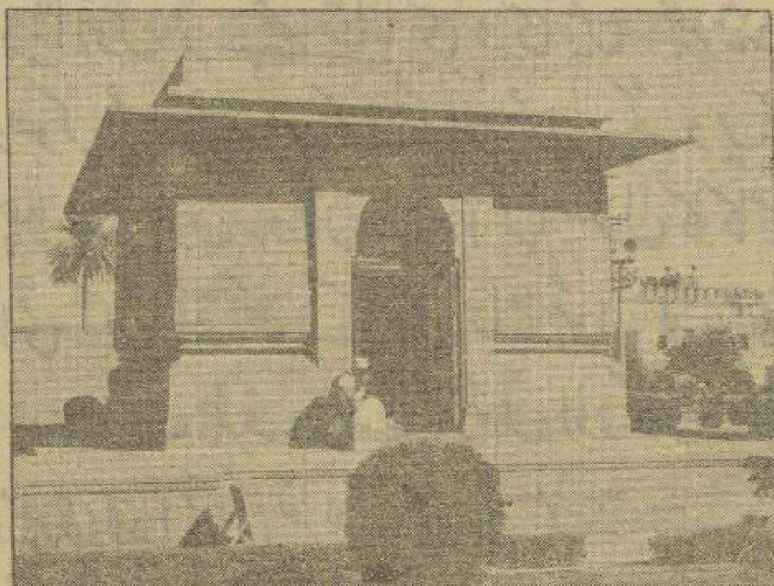


اِقبالؒ کو پڑھنے لِکھنے کا بُہت شوق تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کا کہنا مانتے اور اُستادوں کا اَدَب کرتے تھے۔ اُن کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ وہ بچپن ہی سے سوچنے کے عادی تھے۔ اُستادوں نے اُنھیں

بڑی محنت اور محبّت سے پڑھایا۔ اِقبالؒ جب بڑے ہُوئے تو مُسلمانوں کی پریشانی اور مُلک کی حالت دیکھ کر اُنھیں بہت دُکھ ہُوا۔ اُنھوں نے مسلمانوں کی حالت بہتر بنانے کے لیے بہُت سی نظمیں لِکھیں۔ پاکستان بنانے کا خیال پہلے پہل اُنھی کے دِل میں آیا تھا۔

اِقبال کو بچّوں سے بہُت محبّت تھی۔ بچّوں کے لیے اُنھوں نے پیاری پیاری نظمیں لِکھیں۔

پاکِستان کے لوگ اُن کی بڑی عِزّت کرتے ہیں اور اُن کی نظمیں شوق سے پڑھتے ہیں۔ دُوسرے ملکوں میں بھی اُن کا نام مشہور ہے۔



علاّمہ اقبالؒ نے تریسٹھ سال کے قریب عُمر پائی۔ آپ کی وفات ۱۹۳۸ء میں لاہور میں ہوئی اور وہیں شاہی مسجد کے قریب اُن کا مقبرہ ہے۔



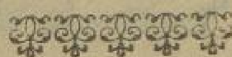
میری امّی

میری امّی صُبح سویرے مجھے اٹھاتی ہیں۔ جب میں مُنہ ہاتھ دھو لیتا ہوں تو مجھے ناشتا دیتی ہیں۔ اِسکول جاتا ہوں تو خُدا حافِظ کہتی ہیں۔

اِسکول سے گھر واپس آتا ہوں تو مجھے دیکھ کر خوش ہو جاتی ہیں اور پُوچھتی ہیں "آج تُم نے اسکول میں کیا پڑھا ہے؟" اور جب میں اپنا سبق ٹِھیک ٹِھیک سُنا دیتا ہُوں تو مجھے شاباشی دیتی ہیں۔ پھر میں کپڑے بَدلتا ہُوں اور مُنہ ہاتھ دھو کر اُن کے ساتھ کھانا کھاتا ہُوں۔ کُچھ دیر آرام کرتا ہُوں پھر شام کو کھیلنے چلا جاتا ہُوں۔ وہاں سے آکر اسکول کا کام کرتا ہوں۔

جب میں امّی کے ساتھ کسی کے ہاں جاتا ہُوں تو بڑوں کو سلام کرتا ہوں۔ اَدَب سے ایک طرف بیٹھ جاتا ہُوں اور کوئی شرارت نہیں کرتا۔ سب لوگ میری اور امّی کی تعریف کرتے ہیں۔

امّی مجھے بہُت پیار کرتی ہیں اور میرے آرام کا خیال رکھتی ہیں۔ میرے لیے اچھّے اچھّے کپڑے سِیتی ہیں اور بازار سے طرح طرح کی چیزیں لاکر مجھے دیتی ہیں۔ سونے سے پہلے کہانیاں بھی سُناتی ہیں۔ میں بھی امّی کو بہُت چاہتا ہُوں اور اُن کی ہر بات مانتا ہوں۔



میں کون ہوں؟

میرے آنے سے دِن چھوٹے اور راتیں بڑی ہو جاتی ہیں۔ بچّے، بُوڑھے اور جوان، سی سی، ہی ہی اور ہو ہُو کرنے لگتے ہیں۔ گرم کپڑے نِکل آتے ہیں۔ صُبح ہوتے ہی غریب اور امیر سَب دُھوپ میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ شام ہوتے ہی سَب کا دِل یہ چاہتا ہے کہ لِحاف اوڑھ کر بِستر میں لیٹ جائیں۔ جانور اور پرندے بھی جلد ہی بسیرے کے لیے چلے جاتے ہیں۔

گاؤں کے لوگ باجرے کی روٹی، چنے اور سرسوں کا ساگ مزے سے کھاتے ہیں۔ رات کو آگ جَلا کر اُس کے چاروں طرف بیٹھ جاتے ہیں، باتیں کرتے ہیں، گانے گاتے ہیں اور ایک دُوسرے کو کہانیاں سُناتے ہیں۔

شہر کے لوگ بھی شام ہونے سے پہلے گھر آ جاتے ہیں۔ بازار جلدی بند ہو جاتے ہیں اور سڑکیں خالی دکھائی دیتی ہیں۔ مجھ سے مِل کر کچھ لوگ خوش ہوتے ہیں۔ گرم کپڑے پہنتے ہیں۔ اَخروٹ، کِشمِش، بادام اور گاجر کا حَلوا شوق سے کھاتے ہیں۔

غریب لوگ مجھ سے گھبراتے ہیں۔ اُن کے پاس پہننے کے

لیے نہ تو گرم کپڑے ہوتے ہیں اور نہ میوے کھانے کے لیے پیسے! وہ بے چارے بہُت پرِیشان رہتے ہیں۔ پھَٹے پُرانے کپڑے اور لِحاف بِچھونے کام میں لاتے ہیں۔

میں سال میں چار مہینے سب کا مہمان رہتا ہوں۔ جانتے ہو میرا نام کیا ہے؟ مجھے جاڑا کہتے ہیں۔



بڑھئی

اَفضل مِیاں کو ایک میز کی ضرورت تھی ۔ وہ ایک بَڑھئی کے پاس گئے اور اُس سے پُوچھا:

اَفضل: کیوں بھائی ! ہمارے لیے ایک میز بنا دو گے ؟

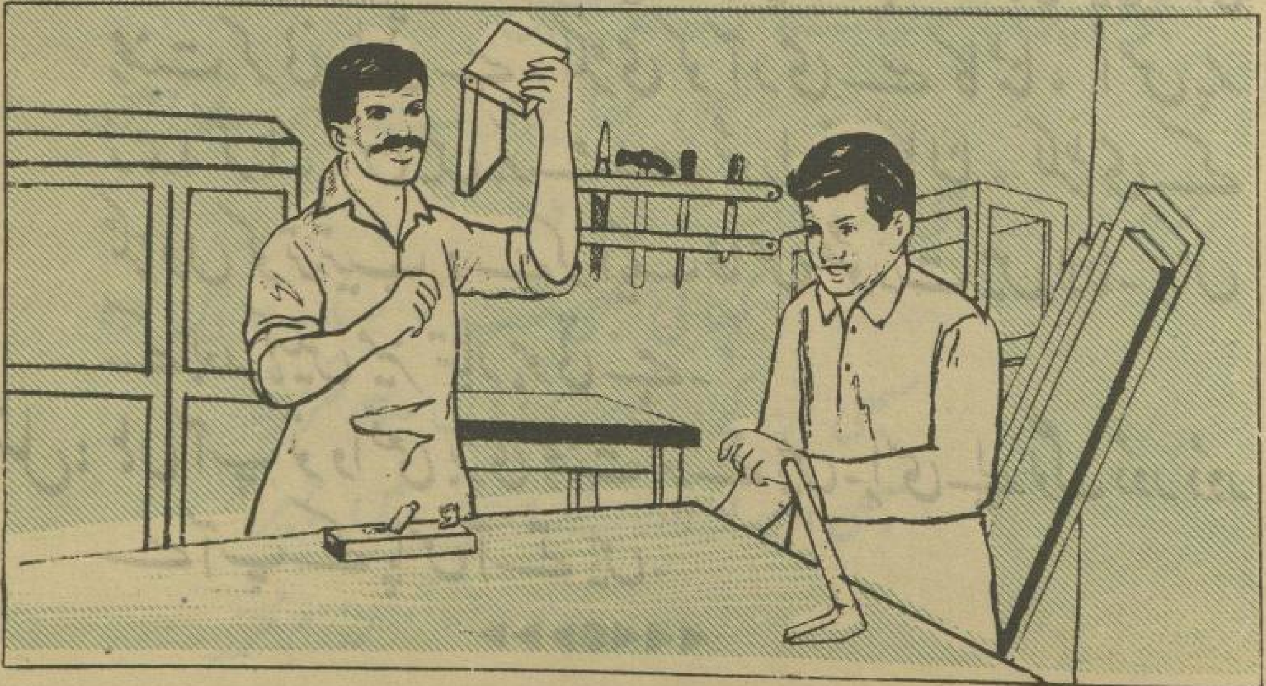
بڑھئی: کیوں نہیں ! مگر آج کل کام زیادہ ہے۔

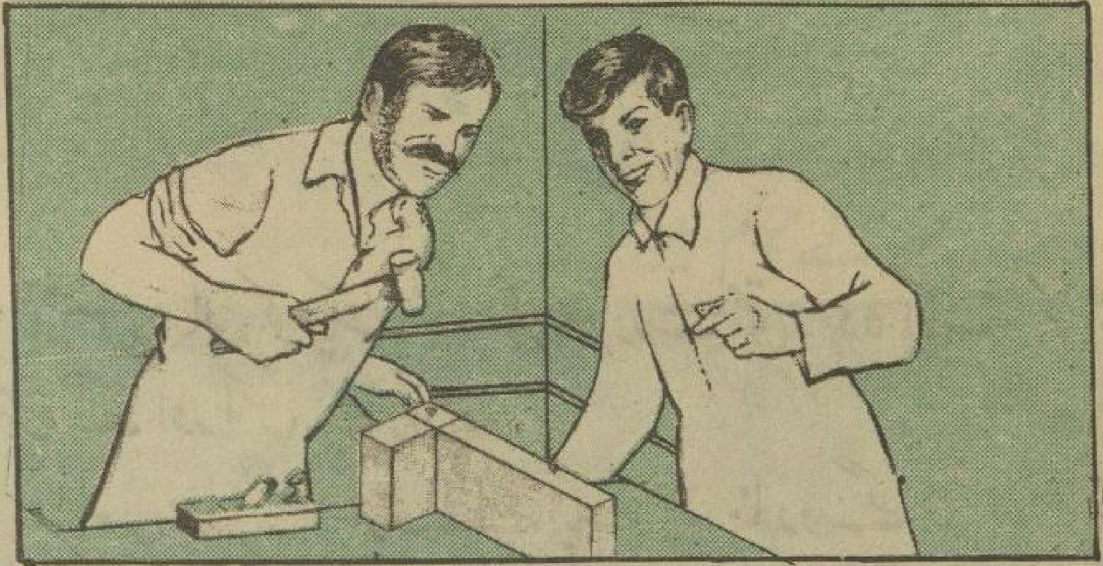
اَفضل: کیا کام ہے ؟

بَڑھئی: مجھے ایک دَفتر کے لیے میزیں ، کُرسیاں ، اَلماریاں اور لکڑی کے صندوق بنانے ہیں۔

اَفضل: ہاں آپ کے پاس کام تو زیادہ ہے۔

بَڑھئی: کیوں نہ ہو! میری بَنائی ہُوئی چیزیں لوگوں کو پَسند آتی ہیں





اور میں کام بھی وقت پر کر کے دیتا ہُوں۔ میز تو بنا دُوں گا
لیکن کچُھ دِن لگیں گے۔

اَفضل : اچھّا بھائی تو پھر کب تک تیّار ہو جائے گی ؟

بَڑھئی : میں جَلد سے جَلد وَقت نِکال کر آپ کی میز تیار کر دُوں گا۔

اَفضل : بھائی یہ تو بتاؤ پیسے کِتنے لو گے ؟

بَڑھئی : جو مُناسِب ہوں گے لے لُوں گا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ کِتنی
مِحنت کرنی پڑتی ہے۔ لکڑی کو آری سے کاٹنا، اُس پر
رَندا کرنا، اُس میں بَرمے سے سُوراخ نِکالنا، لکڑی کے
ٹکڑوں کو ترتیب دے کر ایک خاص صُورت میں لانا۔ اِس
کے بعد کہیں میز تیّار ہوتی ہے۔

اَفضل : ہاں آپ تو واقعی بڑی مِحنت کرتے ہیں۔ اِسی لیے لوگ دُور دُور
سے آپ کے پاس آتے ہیں۔

◀◀◀●▶▶▶



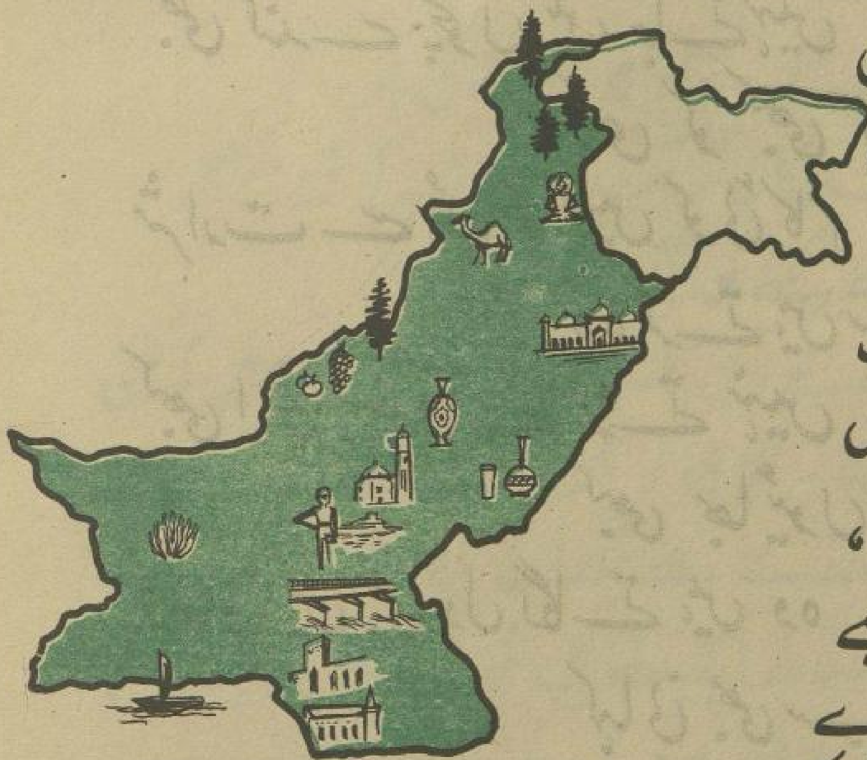
مُنّو مِیاں

بڑے بھولے بھالے ہیں مُنّو مِیاں
دِلوں کے اُجالے ہیں مُنّو مِیاں
کبھی گندے بچّوں میں جاتے نہیں
کِسی کو کبھی وہ ستاتے نہیں
شرارت سے اُن کو نہیں کوئی کام
وہ کرتے ہیں سب کو اَدَب سے سلام
کبھی اپنی بہنوں سے لڑتے نہیں
کبھی بھائیوں سے جھگڑتے نہیں
پڑھائی میں بھی دِل لگاتے ہیں وہ
کہانی بھی سب کو سُناتے ہیں وہ
سبھی اُن کو رکھتے ہیں دِل سے عَزیز
سبھی اُن کو لا،لا کے دیتے ہیں چیز

مخدُوم مُنوّر

پیارا پاکِستان

پاکِستان ہمارا وطن ہے۔ ہمیں اِس سے بہُت محبّت ہے۔ اِس میں ہماری ضرورت اور آرام کی ہر چیز موجود ہے۔ اچھّی اچھّی چیزیں کھانے کو اور طرَح طرَح کے کپڑے پہننے کو مِلتے ہیں۔



کھیل کُود کے لِیے مَیدان اور پڑھنے کے لِیے اِسکول ہیں۔

ہمارا پاکِستان بہُت خُوب صُورت ہے۔ اِس میں بڑے بڑے دریا، اُونچے اُونچے پہاڑ، لمبے چوڑے مَیدان ہرے بھرے کھیت اور باغات ہیں۔ پاکستان میں بہت سے چھوٹے بڑے گاؤں اور شہر آباد ہیں۔ یہاں کے لوگ بہُت اَچھّے ہیں اور مِحنت سے کام کرتے ہیں۔

شہروں میں مزدُور دِن رات کام کر کے طَرح طَرح کی چیزیں بَناتے ہیں۔ گاؤں میں کِسان کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور ہمارے لِیے اَناج اور ترکاریاں پَیدا کرتے ہیں۔ پہاڑوں پر رہنے والے لوگ بھیڑ، بکریاں پالتے ہیں۔ جِن سے ہمیں گوشت اور اُون مِلتی ہے۔

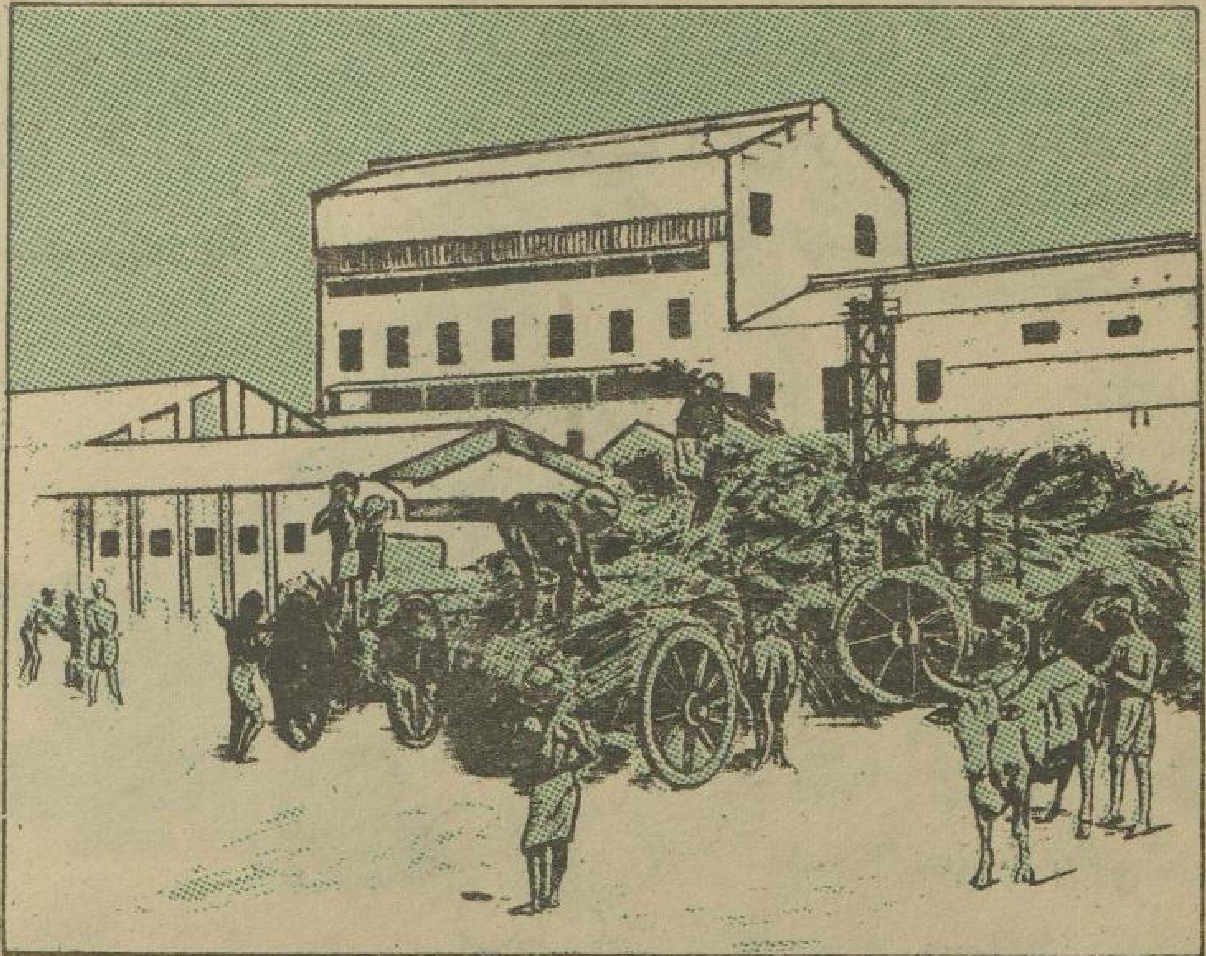
ہمارے وطن کے لوگ بُہت بَہادُر ہیں۔ بڑے سے بڑے دُشمن سے بھی نہیں ڈرتے۔ پاکِستانی بڑی خوشی سے فَوج میں بھَرتی ہوتے ہیں اور اپنے وَطن کو دُشمنوں سے بچانے کے لِیے اپنی جان تک دینے کو تیّار رہتے ہیں۔

پاکِستان زِندہ باد!



شکر کا کارخانہ

بچّے ہوں یا بڑے، شکر اور اُس سے بنی ہُوئی چیزیں سبھی شوق سے کھاتے ہیں۔ گرمی ہو یا سردی، ہر موسِم میں شکر کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہم اِس سے شربت اور چائے



بناتے ہیں۔ بچّے تو شکر کو بہُت ہی پسند کرتے ہیں۔
ہمارے مُلک میں شکر بنانے کے کئی کارخانے ہیں۔

اِن میں گنّے سے شکر بنائی جاتی ہے۔ پُرانے زمانے میں جب شکر بنانے کی مشینیں نہیں تھیں لوگ بیلوں سے چلنے والے کولھو میں گنّا پیل کر رَس نکالتے تھے۔ پھر رَس کو پکا کر گُڑ اور شکر بناتے تھے۔

آج کل شکر کے کارخانوں میں بڑی بڑی مشینیں لگی ہُوئی ہیں۔ پہلے گنّوں کو مشین سے کاٹتے ہیں۔ پھر اُن کا رَس نکالا جاتا ہے۔ اِن گنّوں سے اِتنا رَس نِکلتا ہے کہ اُس کی ایک چھوٹی سی نہر بہتی دِکھائی دیتی ہے۔ کارخانے والے اِس رَس کو پکاتے ہیں۔ اِس طرح اِس کے اندر جِتنا پانی ہوتا ہے وہ سُوکھ جاتا ہے اور شکر باقی رہ جاتی ہے۔

پھر اِس شکر کا رنگ صاف کِیا جاتا ہے اور سُفید سُفید دانے دار شکر مشین سے باہر نِکل آتی ہے۔ کارخانے کے مزدُور شکر کو بوریوں میں بھر کر کارخانے سے باہر لاتے ہیں۔ پھر بَیل گاڑی، اُونٹ گاڑی یا ٹرک پر لاد کر اُسے بازار بھیج دیا جاتا ہے۔ شکر کے کارخانے صِرف گنّے کے مَوسم میں چلتے ہیں اور شکر تیّار کرتے ہیں۔

نُورمحمّد

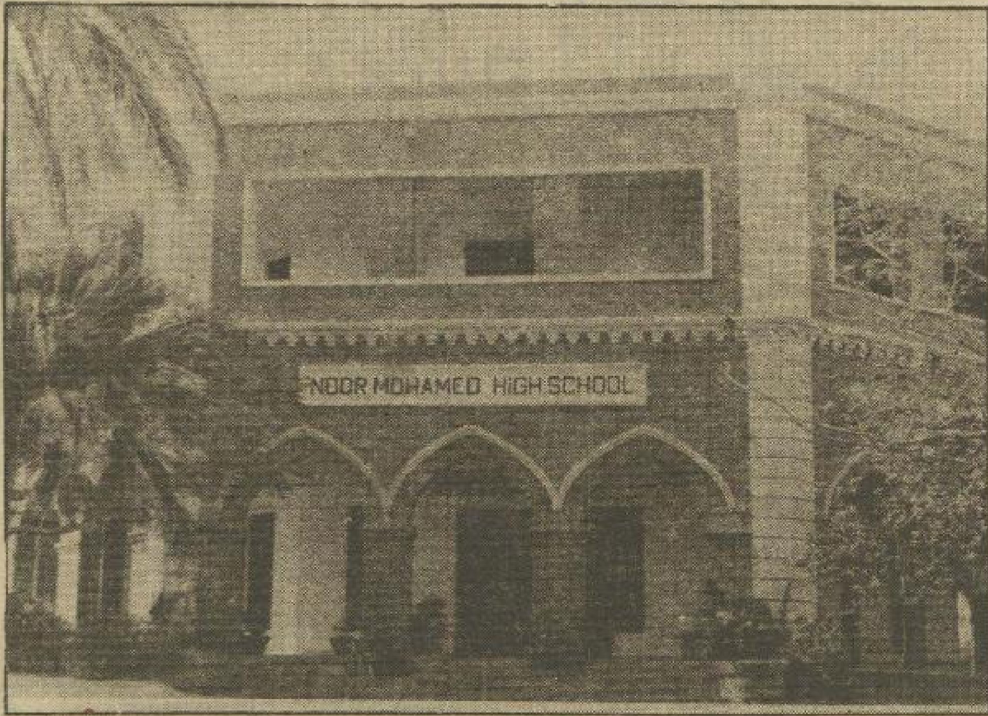
ہمارے مُلک پاکِستان میں بُہت اچھے اچھے لوگ پَیدا ہُوئے ہیں۔ اِن اَچھے لوگوں میں سے ایک نُورمحمّد وکیل بھی تھے۔ نُورمحمّد دادو کے قریب ایک گاؤں میں پَیدا ہُوئے۔ اِن کے والِد اِسکول میں بچّوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ وہ اپنے بیٹے نُورمحمّد کو اچھّی سے اچھّی تعلیم دِلانا چاہتے تھے۔ نُورمحمّد نے اپنے والِد کی خواہش پُوری کی، وہ پڑھنے کے لیے علی گڑھ گئے۔ وہاں خُوب دِل لگا کر پڑھا اور وکیل بن گئے۔



وکیل بن کر اُنھوں نے حیدرآباد میں کام شرُوع کِیا۔ اُن دِنوں حیدرآباد میں مُسلمانوں کا کوئی اِسکول نہ تھا۔ مُسلمانوں کے

بچے صِرف کھیل کُود میں اپنا وَقت برباد کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر اُنھیں بہُت دُکھ ہُوا۔

اُنھوں نے اپنے دوستوں سے مَدَد لے کر حیدر آباد میں ایک اِسکول قائم کِیا اور اِس اِسکول کا خرچ پُورا کرنے کے لیے اپنا گھر تک بیچ دیا۔ اِسکول کو ترّقی دینے کے لیے زیادہ وقت کی ضَرورت تھی۔ اِس لیے اُنھوں نے وَکالت بھی چھوڑ دی۔ اور پُورا وقت اِسکول کی دیکھ بھال میں صَرف کرنے لگے۔



اُن کا بَنایا ہُوا نُور محمّد ہائی اِسکول حیدر آباد کا سب سے بڑا اِسکول ہے۔ نُور محمّد اَب اِس دُنیا میں نہیں ہیں، مگر اُن کے اچھّے کاموں کی وَجہ سے اَب بھی لوگ اُنھیں یاد کرتے ہیں۔

❀ ❀ ❀

قدم اُٹھاؤ دوستو

قدم اُٹھاؤ دوستو!
قدم اُٹھاؤ دوستو!

بڑھے چلو، بڑھے چلو — چلے چلو، چلے چلو
چلے چلو، چلے چلو — بڑھے چلو، بڑھے چلو

قدم اُٹھاؤ دوستو!
قدم اُٹھاؤ دوستو!

ہر ایک قوم چل چُکی — وہ دُور تک نکل چُکی
ہر ایک شے سنبھل چُکی — جہاں کی رُت بدل چُکی

قدم اُٹھاؤ دوستو!
قدم اُٹھاؤ دوستو!

یہ ناؤ اپنی قوم کی — چلی اگر تو بس چلی
اُٹھو! کہ وقت ہے یہی — لگائیں زور ہم سبھی!

قدم اُٹھاؤ دوستو!
قدم اُٹھاؤ دوستو!

محمد شفیع الدین نیّر

ماجِد نے آم کا پَودا لگایا

راشِد: آؤ ماجِد! کھیلنے چلیں۔
ماجِد: ذرا ٹھہرو! میں اِس پَودے کو پانی دے لُوں۔
راشِد: تم نے کِس چیز کا پَودا لگایا ہے؟
ماجِد: میں نے آم کا پَودا لگایا ہے۔
راشِد: چھوڑو بھی، اِس سے فائدہ کیا ہے؟
ماجِد: نہیں بھائی، یہ تو بہُت اچّھا کام ہے۔ کیا تم اُس دِن اِسکول نہیں آئے تھے جِس دِن درَخت اُگاؤ کے



سلسلے میں جلسہ ہوا تھا اُس میں ماسٹر صاحب نے بتایا تھا کہ پودے لگانے کے بہت فائدے ہیں۔ جب یہ بڑھ کر درخت ہو جاتے ہیں تو اِن میں پھل لگتے ہیں۔ اِس کے علاوہ اِن کی لکڑی سے بہت سی چیزیں بنتی ہیں۔ لیکن درخت کے لیے بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ پہلے گڑھا کھودتے ہیں، پھر اُس میں مٹّی اور کھاد ڈالتے ہیں۔ اِس کے بعد پودا لگایا جاتا ہے۔ پھر اُسے پانی دیتے رہتے ہیں۔ اُس کی اچھّی طرح دیکھ بھال کرتے ہیں۔ تب کہیں جاکر یہ پودا درخت بنتا ہے۔

راشد: پانی کے علاوہ پودوں کو اور کس کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے؟

ماجد: ماسٹر صاحب نے بتایا تھا کہ پودوں کو پانی کے علاوہ دُھوپ اور ہوا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پودے پانی اور ہوا کی مدد سے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ جب یہ پودا بڑھ کر درخت ہو گا تو اِس میں میٹھے میٹھے آم لگیں گے اور ہم یہ آم مزے لے لے کر کھائیں گے۔

راشد: یہ تو تم نے بڑی کام کی باتیں بتائیں۔ میں بھی ایک پودا لگاؤں گا۔



اِیمان داری کا پھل

شوکت ایک غریب مزدُور کا بیٹا تھا۔ اُس کے باپ کے پاس اِتنے پَیسے نہیں تھے کہ وہ شوکت کو اچھّی تعلیم دِلا سکتا۔ شوکت کو تعلیم کا بہُت شوق تھا۔ وہ اَپنے دوستوں سے کِتابیں مانگ کر لاتا تھا اور پڑھ کر واپس کر دیتا تھا۔



ایک دِن وہ اپنے دوست رحمت کے ساتھ بازار جا رہا تھا، اَچانک اُس کی نظر ایک کالے رَنگ کے بَٹوے پر پڑی۔ اُس نے دَوڑ کر بَٹوا اُٹھا لیا۔ لیکن رحمت فوراً آگے بڑھا اور شوکت سے بٹوا لے لیا۔

کھول کر دیکھا تو اُس میں بہُت سے روپے تھے۔ رحمت نے شوکت سے کہا۔ "اِس بٹوے میں جو روپے ہیں ان میں سے آدھے تم رکھ لو اور آدھے مجھے دے دو۔"

شوکت نے رحمت کی بات سُن کر جواب دیا۔ نہیں، ہم ایسا نہیں کریں گے۔ میرے ابّا جان کہتے ہیں کہ "وہ پیسے جو محنت کے بغیر مِل جائیں آدمی کو بُرا بنا دیتے ہیں۔"

تھوڑی دیر میں اُنھوں نے ایک آدمی کو آہستہ آہستہ اپنی طرف آتے دیکھا، وہ اِدھر اُدھر دیکھتا جا رہا تھا جیسے کِسی چیز کو تلاش کر رہا ہو۔ شوکت نے آگے بڑھ کر اُس آدمی سے پُوچھا۔ "جناب آپ کیا تلاش کر رہے ہیں؟" اُس نے کہا۔ "بیٹے، میرا بٹوا گر گیا ہے، اُسے تلاش کر رہا ہوں۔" شوکت نے فوراً وہ بٹوا اُس آدمی کو دے دیا۔ اُس نے بٹوا کھول کر روپے گِنے تو پُورے تھے۔ وہ آدمی شوکت کی اِیمان داری سے بہُت خُوش ہُوا۔

وہ آدمی شوکت کے گھر گیا اور اُس کی اِیمان داری کا حال اُس کے باپ کو سُنایا اور کہا۔ "مَیں ایک بڑے کارخانے میں کام کرتا ہُوں اور چاہتا ہوں کہ شوکت کو بھی کام سِکھاؤں۔" شوکت کے والِد نے اِجازت دے دی۔ شوکت ہوشیار تو تھا ہی، وہ کام بھی سِیکھتا رہا اور پڑھتا بھی رہا۔ کُچھ عرصے بعد اُسے اُسی کارخانے میں ایک اچھّی نوکری مِل گئی۔ اِس طرح اُسے اپنی اِیمان داری اور محنت کا پھل مِل گیا۔



ہمارا مُحلّہ

ہمارا محلّہ شہر کا سب سے بڑا محلّہ ہے۔ اِس کے زیادہ تر گھر صاف سُتھرے ہیں۔ یہاں ایک بازار بھی ہے۔ بازار سے ہم ضرورت کی چیزیں خریدتے ہیں۔ ہمارے محلّے میں ایک بڑی مسجد ہے۔ یہ جامع مسجد کہلاتی ہے۔ دو بڑے اسکول ہیں۔ ایک لڑکوں کے لیے، دُوسرا لڑکیوں کے لیے۔ قریب ہی ایک کھیل کا مَیدان ہے۔ اِس میں سب بچّے مِل جُل کر کھیلتے ہیں۔ یہاں ایک بڑا اسپتال بھی ہے۔ اس میں بیماروں کا عِلاج ہوتا ہے۔

ہمارے محلّے کے لوگ مِل جُل کر رہتے ہیں۔ دُکھ دَرد میں ایک دُوسرے کے کام آتے ہیں۔ بچّے بڑوں کا اَدَب کرتے ہیں اور کہنا مانتے ہیں۔ بڑے بھی بچّوں کا بہُت خیال رکھتے ہیں۔ ہمارے محلّے کے رہنے والے اِس طرح رہتے ہیں جیسے ایک ہی خاندان کے لوگ ہوں۔

دُوسرے محلّے کے لوگ بھی ہمارے محلّے میں آتے رہتے ہیں۔ اور یہاں کی نالیوں، گلیوں اور راستوں کو صاف سُتھرا دیکھ کر ہماری تعریف کرتے ہیں۔



آؤ آنکھ مچولی کھیلیں

آؤ آنکھ مچولی کھیلیں

گُڑیا رانی، چور بنو تُم
گڈُّو بھیّا! مور بنو تُم!
چور کی آنکھ پہ پٹّی باندھو
مور کے پَیر میں رسّی باندھو
آؤ آنکھ مچولی کھیلیں

اب رُک جاؤ، چُپ ہو جاؤ
پیڑ کے پیچھے سب چھُپ جاؤ
دیکھو، شور نہ ہونے پائے
چور کھڑا ہے کان لگائے
آؤ آنکھ مچولی کھیلیں

آہٹ سُنتے ہی لپکے گی
بجلی بَن کر ٹُوٹ پڑے گی
گُڑیا ہاتھ لگا جائے گی
تم کو چور بنا جائے گی
آؤ آنکھ مچولی کھیلیں

صابر نقوی

ہم سب کا دُشمن

ناصِر: ابّا جان آپ نے کہا تھا کہ آج آپ بتائیں گے کہ ہم سب کا دُشمن کون ہے؟

ابّا جان: ہاں بیٹا، مجھے یاد ہے۔

ناصِر: وہ کون آدمی ہے جو ہم سب کا دُشمن ہے؟

ابّا جان: وہ آدمی نہیں وہ تو ایک چھوٹا سا کیڑا ہے۔ اُس کا نام مچھّر ہے۔ اگر ہم اُس سے بچنے کی کوشش نہ کریں تو ملیریا ہو جائے۔

ناصِر: ملیریا کیسے ہو جاتا ہے؟

ابّا جان: مچھّر کے کاٹنے سے آدمی کو ملیریا ہو جاتا ہے۔

ناصِر: ابّا جان! ہم اپنے آپ کو مچھّروں سے کیسے بچا سکتے ہیں؟

ابّا جان: مچھّر گندے پانی میں پیدا ہوتا ہے۔ اِس لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم گھروں کے قریب گندا پانی جمع نہ ہونے دیں۔ رات کو مچھّر دانی لگا کر سوئیں اور ہاں! اگر کہیں دیکھو کہ گندا پانی جمع ہے تو اُس پر مٹّی کا تیل یا مچھّر مار تیل چھِڑک دو۔

ناصِر: آج سے یہ کوشش کروں گا کہ ہمارے گھر کے پاس گندا پانی جمع نہ ہونے پائے۔

ابّا جان: صِرف اِس سے کام نہیں چلے گا۔ آس پاس جہاں بھی گندا پانی جمع ہو گا۔ اُس میں مچھّر پَیدا ہوتے رہیں گے اور وُہ سارے محلّے کو پَریشان کریں گے۔



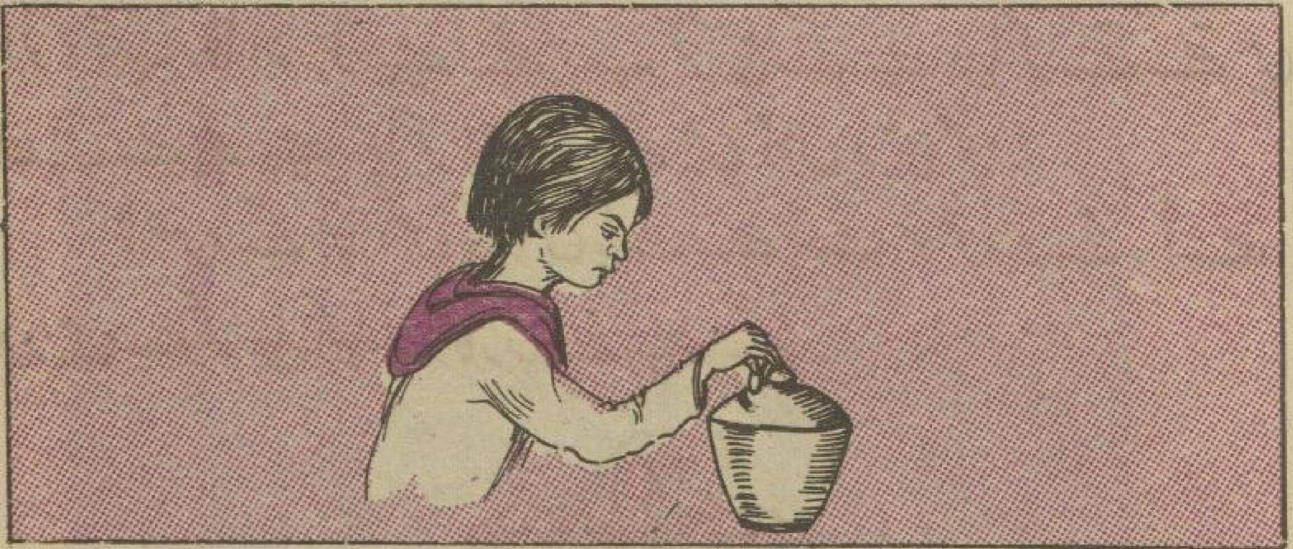
ناصِر: تو پھر کیا کریں ابّا جان؟

ابّا جان: میں اِس کے لیے سرکاری محکمے کو خط لِکھوں گا۔ اُن کی طَرف سے بھی مچھّر مارنے کا اِنتظام ہے۔ سارے محلّے کی گندی نالیوں میں مچھّر مارنے کی دَوا چھِڑک دیں گے۔ اگر وُہ کبھی کبھی دَوا چھِڑکنے آتے رہے تو کُچھ دِن بعد ہمارے محلّے سے مچھّر ختم ہو جائیں گے۔ ہم سب رات کو چَین سے سو سکیں گے اور ملیریے کا خطرہ بھی نہیں رہے گا۔



اچھّی عادت

ناصِرہ دُوسری جماعت میں پڑھتی تھی ۔ اُس کے ابّا ایک کارخانے میں کام کرتے تھے ۔ وہ روزانہ ناصِرہ کو جیب خرچ کے لیے کُچھ پیسے دیا کرتے تھے ۔ ناصِرہ اُن میں سے کُچھ پیسے بچا کر ایک ڈِبّے میں ڈال دیتی تھی ۔



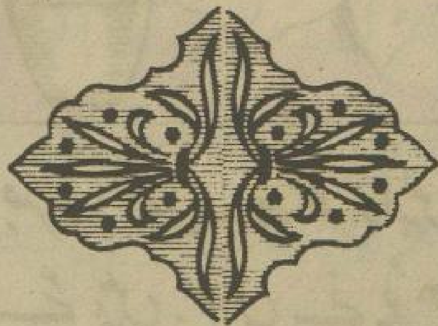
ایک دِن جب ناصِرہ اِسکول سے گھر واپس آئی تو اُس نے دیکھا کہ اُبّو بِستر پر لیٹے ہوئے ہیں ۔ اُس نے پُوچھا "ابّو ! آج آپ کام پر نہیں گئے ؟" ناصِرہ کی امّی بولیں " بیٹی ! تمھارے ابّو کو بہُت تیز بُخار ہے ۔ اِس لیے وہ کارخانے نہیں جا سکے ۔" ناصِرہ کے ابّا دو تین

ہفتے بیمار رہے۔ اِس لیے اُن کی نوکری چھوٹ گئی۔

ناصِرہ کے ابّا جب بیماری سے اُٹھے تو نوکری کی تلاش میں نکلے۔ آخر کار اُنھیں ایک کارخانے میں ملازمت مِل گئی۔ اُن کے پاس جو پیسے تھے وہ سب بیماری کے زمانے میں خرچ ہو گئے تھے۔ بڑی مُشکل سے گزر بسر ہوتی تھی۔ ایک دِن تو اُن کے پاس کارخانے جانے کے لیے کرایہ تک کے پیسے نہ تھے۔ ناصِرہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو وُہ دَوڑ کر کمرے میں گئی اور اپنے پیسوں والا ڈِبّا لاکر ابّو کو دے دیا۔

ڈبے میں پیسے دیکھ کر ناصِرہ کے ابّا نے پُوچھا۔ "بیٹی! تمھارے پاس اِتنے بہُت سے پیسے کہاں سے آئے؟" ناصِرہ نے جواب دیا۔ "ابّو! آپ روزانہ جو پیسے مجھے جیب خرچ کے لیے دیا کرتے تھے میں اُن میں سے کچھ پیسے بچا کر اِس ڈبّے میں ڈال دیتی تھی۔"

ناصِرہ کے ابّا اُس کی اِس بات سے بہُت خوش ہُوئے۔ اُسے گود میں لے کر پیار کیا اور کارخانے چلے گئے۔



حَیدر آباد سِندھ

حَیدر آباد پاکِستان کے بڑے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ اِس شہر کو پہلے نیرون کوٹ کہتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ شہر اُجڑ گیا۔

اِس شہر کو کلھوڑا خاندان کے مشہور بادشاہ غلام شاہ نے دوبارہ بَسایا۔ غُلام شاہ نے سب سے پہلے حَیدر آباد میں دو قِلعے بنوائے۔ ایک کچّا اور دُوسرا پکّا۔ آج بھی یہ قِلعے غُلام شاہ کی یادگار ہیں۔ حَیدر آباد



میں مِیروں کے بُہت سے مقبرے ہیں۔ جو ہمیں اُن کے زمانے کی یاد دِلاتے ہیں۔

حَیدر آباد بہت خوب صورت شہر ہے۔ یہاں کا سب سے بڑا بازار شاہی بازار کہلاتا ہے۔ اِس شہر میں ہوائی اَڈّا، ریڈیو اسٹیشن اور ایک بڑا ریلوے اسٹیشن ہے۔ یہاں بہت سے اِسکول اور کالج ہیں۔ اِس شہر کا سب سے بڑا اور خوب صورت باغ "رانی باغ" ہے۔ جسے اب "گلستانِ بلدیہ" کہتے ہیں۔ اِس باغ میں چڑیا گھر بھی ہے۔



حَیدر آباد میں بہت سے کارخانے ہیں۔ جن میں ہزاروں مزدور دِن رات کام کرتے ہیں۔ اِن کارخانوں میں طرح طرح کی چیزیں بَنائی جاتی ہیں۔ یہاں کا بنا ہُوا سیمنٹ، کپڑا، گھی، چمڑا اور شیشے کا سامان بہت مشہور ہے۔

اِس شہر کے لوگ بہت اَچھے ہیں۔ مِل جُل کر رہتے ہیں اور مہمانوں کی بہت خاطر کرتے ہیں۔

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے

جو عُمر کو مُفت گنوائے گا
وہ آخر کو پچھتائے گا
کچھ بیٹھے ہاتھ نہ آئے گا
جو ڈھونڈے گا وہ پائے گا
تو کب تک دیر لگائے گا؟
یہ وقت بھی آخر جائے گا

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خُدا کیا کرتا ہے!

نظیر اکبر آبادی

تین دوست



کسی جنگل میں ایک درخت کے نیچے ایک چوہے نے اپنا بِل بنا رکھا تھا۔ اِسی درخت پر ایک کوّے کا گھونسلا تھا۔ ایک ہرن بھی رات کو اِسی درخت کے نیچے آرام کرتا تھا۔ تینوں میں بڑی دوستی تھی اور دُکھ درد میں ایک دُوسرے کی مدد کرتے تھے۔

صُبح ہوتے ہی چوُہا جنگل میں نِکل جاتا۔ پھل اور اَناج کے دانے تلاش کر کے کھاتا اور شام ہونے سے پہلے واپس آجاتا۔ کوّا آبادی میں جاکر روٹی کے ٹکڑے اور دوسری چیزوں سے اپنا پیٹ بھرتا اور پھر درخت پر آرام کرتا۔ ہرن جنگل میں گھاس چَرتا اور سُورج غرُوب ہونے سے پہلے درخت کے نیچے آجاتا۔

دن بھر کی محنت کے بعد شام کو جب تینوں دوست جمع ہوتے تو ایک دُوسرے کو دن بھر کی باتیں سُناتے۔ رات ہوتے ہی کوّا اپنے گھونسلے میں چلا جاتا۔ چوُہا اپنے

بل میں آرام کرتا اور ہرن درخت کے نیچے سو جاتا۔ ایک دن چوہا اور کوّا تو واپس آ گئے مگر ہرن نہ آیا۔ دونوں ہرن کا انتظار کرنے لگے۔ جب بہت دیر ہو گئی تو چوہے نے کوّے سے کہا "بھائی کوّے، تم تیز رفتار ہو، اُڑ کر جاؤ اور ہرن کا پتا لگاؤ۔"

کوّا تیزی سے اُڑ کر جنگل کی طرف گیا اور دیکھا کہ ہرن ایک شکاری کے جال میں پھنسا ہُوا ہے۔ کوّا ہرن کے پاس گیا اور کہا "گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہم ذرا دیر میں تمھاری مدد کو آتے ہیں۔" یہ کہہ کر کوّا چُوہے کے پاس گیا اور ہرن کی مُصیبت کا حال سُنایا۔ چُوہے نے تھوڑی دیر سوچا اور کوّے سے کہا "تم مجھے ہرن کے پاس لے چلو۔ میں اپنے تیز دانتوں سے جال کُتر دوں گا۔"



کوّے نے چوہے کی دُم اپنی چونچ میں پکڑی اور اُسے ہرن کے پاس لے گیا۔ چوہے نے جال کُترنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر میں ہرن آزاد ہو گیا۔ ہرن نے چوہے اور کوّے کا شکریہ ادا کیا۔ اِس طرح تینوں دوست پھر ہنسی خوشی رہنے لگے۔



چالاک لومڑی

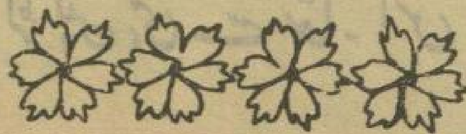
ایک جنگل میں شیر، گیدڑ، لومڑی، ہرن، خرگوش اور بہت سے دُوسرے جانور رہتے تھے۔ شیر جس کو چاہتا اُسے مار کر کھا جاتا۔ سارے جانوروں کو ہر وقت اپنی جان کا خطرہ لگا رہتا۔ اِس لیے ایک دن تمام جانور مِل کر شیر کے پاس گئے اور اس سے کہا "آپ اچانک حملہ کر کے کسی جانور کا شکار نہ کیا کریں ہم خود آپ کے پاس باری باری آجایا کریں گے۔" شیر نے جانوروں کی بات مان لی۔

اب روزانہ ایک جانور شیر کے پاس چلا جاتا اور وہ اُسے مار کر کھا لیتا۔ کُچھ دنوں کے بعد لومڑی کی باری آئی۔ لومڑی بُہت چالاک تھی۔ جان بُوجھ کر شیر کے پاس ذرا دیر سے گئی۔ شیر بھُوک سے بے تاب ہو رہا تھا۔ لومڑی کو دیکھتے ہی غصّے میں دَہاڑا اور لومڑی سے پُوچھا "تُو اتنی دیر سے کیوں آئی؟"

لومڑی نے جواب دیا "اے جنگل کے بادشاہ! میں بُہت پہلے ہی آپ کے پاس آجاتی لیکن راستے میں مجھے دُوسرا شیر مل گیا۔ اُس نے مجھے روک لیا اور کہنے لگا کہ میں اِس جنگل کا بادشاہ ہوں۔ میں کسی طرح اپنی جان بچا کر نِکل آئی۔" لومڑی کی بات سُن کر شیر کا غصّہ بڑھ گیا۔ وہ اور

زور سے دَہاڑا۔ "مجھے بتاؤ وہ شیر کہاں ہے ؟" لومڑی شیر کو ایک کنوئیں پر لے گئی اور کہا وہ شیر اِس کنوئیں میں ہے۔ شیر نے کنوئیں میں جھانکا تو پانی میں اُسے اپنا عکس دکھائی دیا۔ وہ سمجھا کہ یہ کوئی دُوسرا شیر ہے۔ اِس لیے اُس سے لڑنے کے لیے کنوئیں میں کُود پڑا اور ڈوب کر مر گیا۔

لومڑی بھاگی ہوئی جنگل میں گئی اور تمام جانوروں کو شیر کے مرنے کا قِصّہ سُنایا۔ سارے جانوروں نے لومڑی کا شکریہ ادا کیا اور اُس کی چالاکی کی بہت تعریف کی۔



حیدر بخش جتوئیؒ

لاڑکانہ کے پاس ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اِس گاؤں میں ایک لڑکا پیدا ہُوا۔ اُس کا نام حیدر بخش رکھا گیا۔



حیدر بخش لڑکپن ہی سے نیک، ہوشیار اور رحم دِل تھے۔ وہ تعلیم پُوری کرنے کے بعد ایک سرکاری دفتر میں ملازم ہو گئے اور دن رات محنت کر کے ایک بڑے افسر بن گئے۔

اُن کے دِل میں آزادی کی لگن اور غریبوں کی مدد کرنے کا جذبہ لڑکپن ہی سے تھا۔ اُس زمانے میں سندھ کے

ہاریوں کی حالت بہت خراب تھی ۔ زمین کے مالک بڑے بڑے جاگیردار تھے اور ہاری اُن کی زمینوں پر کام کرتے تھے لیکن ہاریوں کو بہت کم اُجرت ملتی تھی ۔ اُن کے پاس نہ پیٹ بھر کر کھانے کو روٹی ہوتی نہ تن ڈھکنے کو کپڑا۔ کسی کو اُن کی فکر نہ تھی۔

حیدر بخش ہاریوں کی حالت سُدھارنے کے لیے میدان میں نکل آئے اور اپنی نوکری بھی چھوڑ دی ۔ اُنھوں نے ہاریوں کی بہت خدمت کی ۔ اُس وقت کی حکومت نے اُنھیں اِس کام سے روکا ۔ مگر وہ نہ مانے ۔ اس وجہ سے انھیں کئی بار جیل بھی جانا پڑا۔ بار بار جیل جانے سے اُن کی صحّت خراب ہو گئی تھی۔ اُنھوں نے حیدرآباد میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

حیدر بخش جتوئی قوم کے لیڈر ہی نہ تھے بلکہ سندھی زبان کے ایک اچھّے لکھنے والے بھی تھے۔

سَیر



آؤ، آؤ، سَیر کو جائیں
باغ میں جاکر دُھوم مچائیں



اُچھلیں، کُودیں، ناچیں، گائیں
آؤ، آؤ، سَیر کو جائیں



کالے کالے بادل آئے
جھُوم جھُوم کر سَر پر چھائے



مینہ برسے اور خوُب نہائیں
آؤ، آؤ، سَیر کو جائیں



باغ میں تازہ پھول کِھلے ہیں
رنگ بِرنگے پھول کِھلے ہیں



ہم بھی اپنا رنگ جمائیں
آؤ، آؤ، سَیر کو جائیں



کشتیاں لے کر کچھ کاغذ کی
کوئی بڑی سی اور کوئی چھوٹی



پانی میں رکھ دیں اور بہائیں
آؤ، آؤ، سَیر کو جائیں



پتّی لے کر اِک پیپَل کی
بَنسی ایک بنائیں ہلکی



ناچیں گائیں، ناچیں گائیں
آؤ، آؤ، سَیر کو جائیں!

صُوفی غلام مصطفٰے تبسم

بُڑھیا کی زمین

ایک بادشاہ تھا۔ یہ بادشاہ بڑا رحم دِل تھا۔ اُس کے انصاف کا بھی بڑا چرچا تھا۔

بادشاہ نے نیا محل بنانا چاہا۔ محل بنانے کے لیے وزیروں سے رائے لی۔

آخر محل کی عمارت بنانے کا دِن آیا۔ خوشیاں منائی گئیں، باجے بجے، مٹھائی بٹی اور محل کی بُنیادیں کھودی جانے لگیں۔ تین طرف کی بنیادیں کھودلی گئیں۔ ایک طرف کی بنیاد ابھی باقی تھی۔ وہ کھودی جانے لگی تو ایک بُڑھیا روتی ہوئی وہاں آگئی۔

بنیاد کھودنے والوں نے بُڑھیا سے پُوچھا "کیا بات ہے؟" وہ بولی "یہ زمین میری ہے۔ تم لوگ میری زمین چھین کر بادشاہ کا محل بنانا چاہتے ہو۔"

بنیادوں کی کھُدائی روک دی گئی۔ بڑھیا کی بات بادشاہ کے کانوں تک پہنچی۔ بادشاہ نے حکم دیا "بڑھیا کی زمین نہ لی جائے، اگر لی جائے

تو قیمت ادا کر دی جائے۔"

بڑھیا نہ مانی۔ اُس نے کہا "یہ زمین میرے باپ دادا کی نشانی ہے۔ میں اس کو نہیں بیچوں گی۔"

بڑھیا کا یہ جواب سُن کر بادشاہ خوش ہوا۔ حکم دیا "بڑھیا کی زمین نہ لی جائے۔ اس کی زمین چھوڑ کر عمارت بنائی جائے۔"

بادشاہ کا محل تیار ہو گیا۔ محل بہت خوب صُورت تھا۔ مگر محل کا ایک کونا بدصُورت تھا۔ بدصُورت کونا وہ تھا جو بُڑھیا کی زمین چھوڑ کر بنایا گیا تھا۔

محل کا کونا تو بدصُورت ہو گیا، مگر بادشاہ نے انصاف کو بٹّا نہ لگنے دیا۔



ہمارے پڑوسی

اُستاد: اِلیاس! کل تم اِسکول کیوں نہیں آئے تھے؟

اِلیاس: جناب! کل میں اِسکول آرہا تھا تو دیکھا کہ جُمّن کی والدہ اپنے دروازے پر کھڑی تھیں۔ مجھے آواز دے کر بُلایا اور کہنے لگیں کہ جُمّن کو سخت بُخار چڑھا ہوا ہے۔ اس کے والد گھر پر نہیں ہیں، براہِ مہربانی تم جلدی سے ڈاکٹر صاحب کو بُلا لاؤ تاکہ وہ جمّن کو دیکھ لیں۔

اُستاد: پھر تم نے کیا کِیا؟

اِلیاس: جناب! مجھے اسکول آنے میں تو دیر ہو رہی تھی لیکن جمّن کی بیماری کا سن کر میں ڈاکٹر صاحب کو بُلا لایا۔ اُنھوں نے جُمّن کو دیکھ کر بتایا۔ موسمی بُخار ہے، دَوا لکھ کر دے رہا ہوں، آدمی بھیج کر منگوا لیجیے۔" جناب چونکہ جُمّن کے گھر پر کوئی اور شخص نہیں تھا اِس لیے میں ہی دَوا لے کر آیا اور اُسے ایک خوراک پلا بھی دی۔ اِس کام میں مجھے بہُت دیر ہو چکی تھی اس لیے میں

اسکول نہیں آسکا۔ اِس دفعہ معاف کردیں۔ آئندہ اسکول سے کبھی غیر حاضر نہیں ہوں گا۔

اُستاد: اِلیاس! مجھے تمھاری غیر حاضری کا ذرا بھی افسوس نہیں۔ تم نے مُصیبت کے وقت جُمّن کی والدہ کی مدد کی، اچھّے بچّے ہمیشہ اپنے پڑوسیوں کے کام آتے ہیں۔ پڑوسیوں کا اپنے عزیزوں کی طرح اَدَب کرنا چاہیے۔ محلّے کے بچّوں سے بھی محبّت کرنی چاہیے اور اُن سے کبھی بھی لڑنا نہیں چاہیے۔ جو بچّے ایسا کرتے ہیں اُن کو ہر شخص پسند کرتا ہے۔



دغا کا بدلہ

کسی جنگل میں ایک گیدڑ، ایک ہرن اور ایک کوّا ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ اُن میں بڑی دوستی تھی۔ سارا دِن گھوم پھر کر رات کو کوّا ایک درخت پر آ بیٹھتا اور گیدڑ اور ہرن بھی اِسی درخت کے نیچے بیٹھ کر آرام کرتے۔ ہرن کو موٹا تازہ دیکھ کر گیدڑ کے مُنہ میں پانی بھر آتا تھا۔ وہ اکثر سوچا کرتا تھا کہ کسی طرح ہرن کی آنتیں کھائی جائیں۔

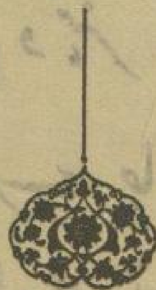
ہرن رات کو جس کھیت میں جا کر فصل کھاتا تھا، ایک دن گیدڑ اُس کھیت کے مالک کے پاس پہنچا اور کہا، "ہرن روزانہ رات کو تمھاری فصل کھا جاتا ہے۔ اُس کو پکڑ کر کاٹ لو اور کھا جاؤ۔ لیکن براہِ کرم اس کی آنتیں مجھے دے دینا۔"

کِسان نے کھیت میں جال لگا دیا اور جب رات کو ہرن کھیت میں چارا چرنے گیا تو جال میں پھنس گیا۔ صُبح کو گیدڑ اور کوّا بھی وہاں پہنچے تو کوّے نے گیدڑ سے کہا "تم اپنے دانتوں سے جال کاٹ دو اور اپنے دوست ہرن کو آزاد کر لو۔" لیکن گیدڑ کے دل میں

دَغا تھی۔ کہنے لگا۔ "میں جال نہیں کاٹ سکتا کیوں کہ آج میرے دانتوں میں دَرد ہے۔"

اُسی وقت کسان بھی وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے اپنا حُقّہ ایک طرف رکھا اور ہَرن کو مارنے کے لیے آگے بڑھا۔ ہَرن نے کوّے کے مشورے پر ایسا دَم سادھا کہ جیسے مر گیا ہو۔ کسان نے بھی اُسے مُردہ سمجھا اور جال کھولنے لگا۔ جب جال پُورا کھُل چُکا تو کوّے نے چالاکی سے حُقّے کی چِلَم گِرا دی، جس سے بھُوسے کے ڈھیر میں آگ لگ گئی اور کسان اس طرف بھاگا۔ ہَرن نے موقع غنیمت جانا اور اُٹھ کر جنگل کی طرف بھاگا۔ یہ دیکھ کر کسان نے غصّے میں کلہاڑی پھینک کر ماری، لیکن کلہاڑی ہَرن کے بجائے گیدڑ کی ٹانگ میں لگی اور اُس کی ٹانگ کٹ گئی۔

کہتے ہیں کہ جو دُوسروں کے لیے گڑھا کھودتا ہے۔ وہ خود اُسی میں گِرتا ہے۔



دُعا

اے دُنیا کے باغ کے مالی
اے اپنے بَندوں کے والی
دل کے مالک جان کے مالک
دُنیا اور جہان کے مالک!

ہمّت دے کچھ کام کریں ہم
جگ میں رَوشن نام کریں ہم
پڑھنے پر دل مائل کر دے
عِلم و ہُنر میں کامِل کر دے

نام پہ تیرے جان فِدا ہو
کوئی نہ دل میں تیرے سِوا ہو

محمد شفیع الدین نیّر

تیارکردہ :- سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، حیدرآباد سندھ

منظور شدہ :- بطور واحد درسی کتاب برائے مدارس صوبۂ سندھ

قومی کمیٹی برائے جائزۂ کُتب نصاب کی تصحیح شدہ

قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد کِشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان اَرضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام قُوّتِ اُخُوّتِ عوام
قوم، مُلک، سلطنت پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد

پرچمِ ستارہ و ہلال رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی، شانِ حال جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذُوالجلال

تاریخ اشاعت	ایڈیشن نمبر	تعداد اشاعت	قیمت
اگست سنہ ۱۹۸۶ء	تیسرا	۱،۰۰۰۰۰	۴-۵۰